اسلام میں عورتوں کے خاص حقوق

مولانا اخلاق حسین قاسمی

مشہور اصولی علامہ شاطبی نے انسان کے پانچ بنیادی حقوق۔یعنی
ا۔نسل انسانی کا تحفظ، روٹی، پانی، صحت۔
۲۔انسانی جان کا احترام، قتل ناحق کی ممانعت
۳۔انسانی مال و املاک کا احترام
۴۔مذہب اور رائے کی آزادی کا احترام
۵۔عقل وضمیر کی آزادی کا احترام

میں مردوں اور عورتوں کے مشترک حقوق کا تذکرہ کیا ہے اور اسلامی شریعت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلافی حقوق کو نظر انداز کر دیا ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور میں چوں کہ رائے کی آزادی کے حق میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ رشتۂ نکاح سے علاحدہ ہونے (طلاق) کا حق بھی شامل کیا گیا ہے جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اختیار علاحدگی صرف مردوں کو حاصل ہے، عورتیں اپنی نسوانی فطرت اور ازدواجی معاملات کی نوعیت کے لحاظ سے قطعی طور پر اس اختیار کی اہل نہیں سمجھی جاتیں ہیں اس لیے اس مسلۂ کی خصوصی نوعیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

''رسول پاکؐ کی حیات پاک'' کے مشہور مغربی مصنف مسٹر کارائل نے لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ کی بعثت ونبوّت کے وقت عیسائی پادریوں میں یہ بحث چل رہی تھی کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟

کئی دن کے بحث و مباحثہ کے بعد عیسائی پادریوں نے عورت کو انسان مان لیا، لیکن یہ فیصلہ کیا کہ عورت مرد کا ایک کھلونا ہے اور دل کا بہلاوا ہے، اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت وعزّت نہیں۔

یہی حال دنیا کی تمام قوموں کے تصورات کا تھا کہ عورت انسانی سماج میں بے حق اور بے حیثیت چیز ہے۔ اسے مردوں کا غلام اور خدمات گذار سمجھو۔

اس عام تاریک ماحول و معاشرہ میں رسول پاکؐ نے وحی الٰہی کی زبان سے مرد اور عورت کے درمیان قانونی مساوات کا اعلان کیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [۱]

اور دیکھو! عورتوں کے لیے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں (کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں) البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

مردوں کا یہ خاص درجہ کیا ہے؟

قرآنِ کریم نے مردوں کے اس خاص درجہ کی وضاحت کرتے ہوئے سورۂ نساء میں کہا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ [۲]

ترجمہ: مرد عورتوں کے سربراہ اور کارفرما ہیں، اس لیے اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) میں بعض کو بعض پر خاص خاص باتوں میں فضیلت دی ہے۔ نیز اس لیے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک عورتیں ہیں، ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شوہروں کی اطاعت شعار ہوتی ہیں اور اللہ کی دی ہوئی حفاظت کی قوت سے وہ شوہر کے پیٹھ پیچھے (خاص طور پر) شوہروں کے حقوق اور ان کی عزت کی حفاظت کرتی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے اس سوال کے جواب میں کہ افضل ترین عورت کون ہوتی ہے، قرآن کریم کے اسی پیغام کو دہرایا ہے کہ:

بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر حکم دے، تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جب وہ گھر سے دور ہو تو اس کے مال اور ناموس کی حفاظت کرے اور جب وہ اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کردے۔

قرآن کریم نے مردوں کے لیے قوّام (قائم) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عربی زبان میں قوّام اور قیّم (قیام سے) اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی ادارہ یا کسی جماعت کے معاملات کو درستی کے ساتھ چلائے اور اس کی حفاظت کرے، اور اس کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہو۔

اس آیت میں فضیلت (فضل اللہ) کا لفظ بزرگی اور عزت کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ بڑائی اور

۱۔ بقرہ ۲۲۸ ۲۔ نساء، ۳۴

ذمہ داری کے معنی میں ہے۔ اور مرد کو اپنے خاندان میں یہی حیثیت حاصل ہے کہ وہ خاندان کا بڑا ہے، ذمہ دار ہے۔

قرآن حکیم کے اردو مترجمین میں شاہ عبدالقادر صاحب نے قوّام کا ترجمہ حاکم (حکومت) کیا ہے اور یہی لفظ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے قدیم مذہبی حلقوں میں مرد کے لیے حاکم اور عورت کے لیے اس کے مقابلہ میں محکوم کا تصور پھیلا، حالاں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے قوّام کا ترجمہ حاکم نہیں کیا ہے بلکہ قوام کے عربی مفہوم کو نہایت معنی خیز الفاظ میں ادا کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

مردان تدبیر کارکنندہ مسلط شدہ اند برزنان"

شاہ ولی اللہ سے پہلے فارسی مترجم عبدالقادر جرجانی نے "مردان کارگزار انند برزنان" تحریر کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے ایک صاحبزادہ، شاہ رفیع الدین صاحب، نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

"مرد قائم رہنے والے ہیں عورتوں پر۔"

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اردو کا خاص لفظ "سردھرے ہیں" تحریر کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے "سربراہ وکارفرما" کے دو لفظ تحریر کیے۔

مولانا مودودی صاحب نے قوام کا اردو ترجمہ نہیں کیا بلکہ ترجمہ میں قران کریم کا عربی لفظ ہی باقی رکھا۔

شاہ ولی اللہ کے سامنے رشتۂ نکاح کی وہ حیثیت تھی جو قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَمِنْ آيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ[1]

سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی چھ (۶) اہم نشانیاں بیان کرتے ہوئے وَمِنْ آيٰتِهٖ کے موثر اسلوب میں دوسرے درجہ کی نشانیاں یہ بیان کیں کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک نشانی اور قدرت الٰہی کا ایک عجوبہ یہ ہے کہ اس نے "اے انسانو! تم ہی میں سے تمہارے جوڑے مقرر کردیے تاکہ تم ان جوڑوں سے آرام و سکون حاصل کرو اور خدا نے تمہارے اور تمہارے جوڑوں (میاں بیوی) کے اندر محبت اور ہمدردی پیدا کردی۔ بے شک خدا کی اس تخلیق اور قدرت کے اس نظام میں

۱۔ روم، ۲۱

بڑی بڑی نشانیاں ہیں، غور وفکر کرنے والوں کے لیے''۔

ازواج (جمع زوج) کا ترجمہ اہل فارسی نے (زنان) عورتیں کیا ہے۔ جوڑے کا لفظ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے تحریر کیا ہے اور یہ لفظ حقیقت میں بہترین ترجمانی کر رہا ہے۔

مذکورہ آیت روم (۲۱) کی بہترین تشریح کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ کی تفسیر جلد اول (الفاتحہ، ص ۶۱) کا مطالعہ ضروری ہے۔ مولانا آزاد نے قانون فطرت کے اس اہم گوشہ (قانون زوجیت، قانون تزویج) کو قرآنی آیات کے ذریعہ واضح کرتے ہوئے رشتۂ نکاح میں قانون تزویج کی حکمت پر یہ لکھا ہے:

''یہی قانون فطرت ہے جس نے انسان کو دو مختلف جنسوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کیا اور پھر ان میں فعل و انفعال اور جذبہ و انجذاب کے کچھ ایسے احساسات ودیعت کر دیئے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے اور دونوں کے ملنے سے ازدواجی زندگی کی ایک کامل معیشت پیدا ہو جاتی ہے۔''

قرآن کہتا ہے:

یہ اس لیے ہے تاکہ محبت وسکون اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت اور اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل اور گوارا ہو جائیں۔

محبت میں حکومت کیسی؟ محبت مرزا غالب کے اس حاکمانہ جذبۂ دل پر، اس طرح کہ

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل — اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

دہلی کے مشہور استاد شاعر داغ دہلوی نے کہا تھا:

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی، اے داغ — بندہ پرورا یہ محبت میں حکومت کیسی؟

مرزا غالب کے ہم عصر حکیم مومن خان مومن نے جذبۂ دل کو حکومت کرنے اور زور آزمانے سے منع کرتے ہوئے کہا:

جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے — پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

طلاق کا اختیار مرد کو، اس کی مصلحت

اسلامی شریعت نے جدائی اور طلاق کا حق مردوں کو دیا، عورتوں کو نہیں دیا۔ اس کی نوعیت ایک امریکن دانشور کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے امریکن دانشوروں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قانون بنا کر عورتوں کو حق ملکیت سے محروم کردیں کیونکہ عورتیں جب اپنے کاروباری معاملات میں ترقی کرکے اپنے شوہروں سے زیادہ خوش حال ہوجاتی ہیں تو وہ اپنے کم حیثیت شوہروں کے دباؤ سے آزاد ہوجاتی ہیں اور شوہروں کی اطاعت میں نہیں رہ پاتیں۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ عورتوں سے ملکیت کا حق چھین لیا جائے۔ (ہندوستان ٹائمز ۲۶ فروری ۲۰۰۱)

اسلام نے عورتوں کے بنیادی حق (حق ملکیت) کو قائم رکھتے ہوئے اس مسئلہ کا یہ مناسب اور فطری حل اس طرح عطا کیا ہے کہ رشتہ نکاح توڑنے کا حق مرد کے ہاتھ میں رکھا، تاکہ عورت اس مذہبی اور اخلاقی دباؤ میں مرد کے ناموس کا احترام قائم رکھے اور ازدواجی زندگی کو محبت اور اقامت کے حسن سے آراستہ رکھنے میں مرد کو مکمل تعاون دے۔

خالق فطرت نے مرد اور عورت کو مکمل طور پر مساوی اور برابر پیدا نہیں کیا، بلکہ دونوں کی جسمانی ساخت اور دونوں کے فطری تقاضے الگ الگ رکھے۔ اسی اختلاف کی بنیاد پر مرد اور عورتوں کے درمیان حقوق و فرائض کے اختلاف کی بناء رکھی گئی ہے۔ احقر نے اپنی کتاب ''معاشرے پر عورت کا احسان'' میں عورتوں پر اسلام کے عظیم احسانات کی تفصیل بیان کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت، عظمت اور شرف انسانیت کے تمام حقوق میں مردوں کے برابر رکھا، البتہ بعض معاشرتی مسائل (طلاق، پردہ اور میراث کے حصہ میں بھائی بہن کے درمیان فرق) میں مردوں اور عورتوں کے حقوق میں اختلاف نظر آتا ہے، اور وہ فطری اور معاشرتی تقاضوں کی رعایت ہے۔

معاشرہ پر عورت کا احسان

اسلام نے عورت کو عزت اور عظمت کا جو رتبہ عطا کیا ہے اس کی مثال دوسرے کسی بھی سماجی قانون میں نہیں ملتی۔

ایک عورت کسی مرد کے رشتۂ ازدواج اور تعلق نکاح میں داخل ہوتی ہے تو اس میں عورت کی

آزادانہ رضامندی شامل ہوتی ہے اور مرد کے ذمہ مہر کے طور پر ایک معقول رقم واجب ہوتی ہے جسے فقہائے اسلام نے حق شرع کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ مہر کی رقم کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہوتی بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعبیر کے مطابق مہر کی رقم کا تقرر عورت کی اہمیت اور افادیت کے اظہار کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور مہر کی اس رقم کے تقرر میں عورت کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔

رشتۂ نکاح میں آجانے کے بعد عورت کا صرف ایک قانونی فریضہ ہوتا ہے اور وہ ہے وظیفہ زوجیت کی ادائیگی میں مرد کے ساتھ تعاون کرنا۔ اور یہ طرفین کی فطری ضرورت ہے۔ اس قانونی فریضہ کے علاوہ عورت گھریلو زندگی میں جو فرائض ادا کرتی ہے وہ اس عورت کا معاشرہ پر تبرع اور احسان ہوتا ہے۔ مرد کے ذمہ مسلم پرسنل لاء نے جو فرائض و واجبات مقرر کیے ہیں وہ نان ونفقہ ہے۔ نان ونفقہ میں حسب حیثیت کھانا، کپڑا اور مکان تین چیزیں شامل ہیں۔

عورت اگر کھانا پکاتی ہے، کپڑے سیتی ہے اور گھر میں جھاڑو دیتی ہے اور بچوں کو صاف ستھرا رکھتی ہے، تو یہ اس کا احسان ہے قانونی فریضہ نہیں ہے۔

بچہ کو دودھ پلانا بھی عورت کے قانونی فرائض میں داخل نہیں ہے۔ اگر کوئی دودھ پلانے والی عورت نہ ہو اور بچہ کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہو تب اسے مجبور کیا جاسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں، یہ مرد کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کے لئے دودھ پلانے والی انا کا انتظام کرے۔

وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی میں مرد تو آسانی کے ساتھ فطری سکون حاصل کرلیتا ہے لیکن عورت کو مرد کی نسل چلانے کے لیے موت و زندگی کی کش مکش سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی وہ جاپے اور جنم کی تکلیف میں خدا کو پیاری ہوجاتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جننا اور مرنا برابر ہے۔

فقہائے احناف میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک گھریلو خدمت کے لیے ایک خادم یا خادمہ کا انتظام کرنا بھی مرد کے ذمہ واجب ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو خدمت گزاروں کا انتظام ضروری ہے۔ ایک بازار کے کام کاج کے لیے اور ایک اندر گھر کے کام کاج کے لیے، شوہر اگر غریب ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اسے اس فریضہ سے سبکدوش رکھتے ہیں لیکن امام محمد ہر حال میں شوہر پر خادم کے انتظام کی ذمہ داری عائد کرتے ہیں۔ یہ نان ونفقہ مرد کے ذمہ واجب ہوتا ہے، خواہ عورت بھی مالدار کیوں نہ ہو۔

یہ عورت کے اخلاق اور باہمی محبت پر ہے کہ وہ اپنی نجی کمائی میں سے اپنے گھر پر خرچ کرے

لیکن شوہر اسے مجبور نہیں کرسکتا۔

رسول اکرمؐ حضرت عائشہ صدیقہ کے بیان کے مطابق گھر کے کاموں میں اپنی ازواج کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس اسوۂ رسولؐ میں یہ ہدایت پوشیدہ ہے کہ گھر کا عام کام کاج عورت کے قانونی فرائض کا حصہ نہیں، یہ اخلاقی احسان ہے جس میں مرد کو بھی حصہ لینا چاہئے۔

پھر عورت ان اخلاقی احسانات کے باوجود اپنے آپ کو شوہر کے سامنے ایک خدمت گزار کے طور پر کھڑا رکھتی ہے، کبھی سر نہیں اٹھاتی۔

وہ ساس سسر کی خدمت کرتی ہے اور ساس سسر کو اپنے ماں باپ سے زیادہ قابل احترام سمجھتی ہے۔ وہ شوہر کے بھائیوں کو اپنے بھائی بہن سے زیادہ محبت دیتی ہے۔ وہ نندوں کے طعنے سنتی ہے اور درگذر سے کام لیتی ہے۔ وہ گھر میں محنت مزدوری کر کے شوہر کے گھر کو گھر بناتی ہے۔ ایک شریف کوکھ کی بیٹی شوہر کی عزت اور آرام کے لیے اپنے جذبات کو خاک میں ملا دیتی ہے، البتہ وہ عزت اور سکھ کے ساتھ دو روٹیاں چاہتی ہے، وہ ایک فطری کمزوری رکھتی ہے اور اس کمزوری کو اپنی خدمت کے ذریعہ درگذر کے قابل بناتی ہے۔

عورت کے ان اخلاقی احسانات کی روشنی میں اسلام نے شوہر کو ہدایت کی ہے کہ وہ زندگی کی معمولی معمولی شکایت پر عورت کو پریشان نہ کرے کیونکہ وہ عورت اپنے قانونی فریضہ سے اوپر اٹھ کر بطور احسان یہ سارے کام کاج کرتی ہے۔

کھانا پکانے، رشتہ داروں کے گھر جانے یا اپنی تنخواہ شوہر کے ہاتھ پر نہ رکھنے یا زبان چلانے پر شریعت نے شوہر کو عفوو درگذر کرنے کا حکم دیا ہے۔ طیش میں آ کر عورت پر زیادتی کرنا شوہر کی انتہائی غیر اخلاقی اور قابل مذمت حرکت ہوگی۔ ہاں! جب عورت اپنے ناموس کی حفاظت میں غیر ذمہ دارانہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرے تو اب اس جرم پر عورت کو علیحدہ کرنے اور طلاق دینے کی اجازت حاصل ہوتی ہے۔ طلاق دینا مرد کے اختیار میں رکھا گیا ہے تاکہ عورت اس کے خوف سے اپنے ناموس کے تحفظ میں پوری ذمہ داری کا ثبوت دیتی رہے۔ طلاق دینا اگرچہ مرد کا ایک طرفہ اختیار ہے مگر معاشرہ کی عام خرابی کے پیش نظر عورت کو یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ نکاح کے وقت معاہدہ میں علیحدگی کا اختیار خود بھی حاصل کرے جسے تفویض طلاق کہا جاتا ہے۔ طلاق کے بعد عورت شوہر سے مہر پانے کی حقدار ہوتی ہے اور تین مہینہ تک نان نفقہ اور سکونت کے حقوق اسے

حاصل ہوتے ہیں۔ اور جو سامان اور جہیز وہ ساتھ لائی تھی اور جو زیورات اسے چڑھائے گئے تھے، وہ تمام اپنے ساتھ لانے کی حقدار ہے۔

جو سامان استعمال میں آ گیا وہ تو آ گیا مگر جو سامان، کپڑے، زیورات اور برتن بھانڈہ اب تک محفوظ ہے، وہ اسی عورت کا ہے اور وہ اسے ساتھ لے جانے کی مجاز ہے۔ جدائی کے بعد اب شریعت اسلامیہ عورت کو دوسرا گھر آباد کرنے کی ترغیب دیتی ہے، رسول پاکؐ نے طلاق شدہ خاتون کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔

اسلام نے طلاق کے معاملہ میں اخلاقی تقاضوں کی مکمل رعایت کی ہے۔

عورت کو جدا کرنا اگر مشکل بنادیا جاتا ہے تو پھر عورتیں معلق پڑی رہتی ہیں۔ ساتھ رہنا مشکل، مزاجوں کی ناموافقت اور خاندانی الجھنیں اور ناقابل برداشت شرائط اور پابندیوں کے سبب اس عورت کو آزاد کرنا مشکل۔ یہ صورتیں عورت کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

اس کے مقابلہ میں اگر طلاق دینا بالکل آسان ہو تو پھر بات بات پر طلاق شروع ہوجائے، اس لئے شریعت نے درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ طلاق کے بعد عورت کا بالکل بے سہارا اور بے سروسامان ہونا بہت نادر اور قلیل ہوتا ہے۔ دو چار مثالوں کو دیکھ کر تاحیات نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ڈالنا، ایک ایسی شرط کا اضافہ کرنا ہے جس سے طلاق کے واقعات تو کم ہو سکتے ہیں لیکن عورت کے لئے درمیان میں لٹکنے کی حالت اس سے زیادہ خوفناک بن سکتی ہے۔ اس صورت حال سے زچ ہوکر ہی عورتیں خودکشی کا حربہ استعمال کرتی ہیں۔

اسلام نہیں چاہتا کہ عورت ازدواجی رشتہ کے بغیر ایک منٹ بھی زندہ رہے، عورت کا فطری تقاضا اور سماج میں اس کی ضرورت، اس امر کو لازم قرار دیتی ہے کہ عورت مرد کے ساتھ سماج کی خدمت کرے۔

تاحیات نان نفقہ سے عورت کے لیے بغیر شوہر کے زندگی گزارنے کا راستہ کھلتا ہے اور یہ راستہ ایک عورت کے لئے اور اس کے ماں باپ اور بھائیوں کے لئے بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ طرح طرح کی بدگمانیاں راہ پاتی ہیں، اس لیے شادی شدہ عورت کو قرآن کریم نے محصنہ یعنی قلعہ بند اور محفوظ عورت کہا ہے۔

عدالت کے راستہ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا معاملہ بڑا سنگین ہے اور اس کی روک تھام کے لئے مسلم معاشرہ پر کنٹرول کرنا ضروری ہے۔

یہ تحفظ نہ تو حکومت کو للکارنے سے حاصل ہوگا اور نہ اخباری بیانات اور احتجاج سے، بلکہ مسلم معاشرہ میں رشتہ نکاح کی اسلامی روح کو زندہ کرنے سے ہوگا۔قرآن کریم نے اس رشتہ کو محبت اور مودت کا رشتہ قرار دیا ہے۔ یہ رشتہ قانون سے زیادہ اخلاق پر قائم ہوتا ہے، تب ہی اس میں اسلامی روح پیدا ہوتی ہے اور اس کے لیے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو ایک مشن کے طور پر میدان عمل میں نکلنا ہوگا۔